



نسیم حجازی کا ناول "— اور تلوار ٹوٹ گئی" تہذیبی بازیافت

NASEEM HIJAZI'S NOVEL "—AOR TALWAR TOOT GAYI": A CIVILIZATIONAL RECOVERY

Dr. Parveen Kallu

Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad

Dr. Saira Irshad

Assistant Professor Urdu Department, Government Sadiq College Women University Bahawalpur

Saddique

Lecturer Urdu Department, University of Swabi

Dr. Muhammad Rahman

Assistant Professor Urdu Department Hazara University Mansehra
(Corresponding Author drmrehman75@gmail.com)

Abstract

"—Aor Talwar Toot Gayi" is a famous novel by Naseem Hijazi, which was created under the influence of the personality of Shaheed Tipu Sultan and he was made the subject of this novel. The conquests of "Sher-e-Maisoor" were not limited to the battlefields only, but he was at the same time a ruler, a scholar, a thinker, and a reformer whose heart and mind encompassed the past glories of Indian Islam, the present excitement, and the aspirations of the future. Most of the characters in this novel are Mujahideen who appear before us in the guise of a great military leader and this is why the wars of Mysore became an important part of this story. Important aspects of the biography and character of Sultan Shaheed emerge in this novel. In this article "—Aor Talwar Toot Gayi" is discussed on civilizational bases.

Key Words:

Naseem Hijazi, "—Aor Talwar Toot Gayi", Shaheed Tipu Sultan, "Sher-e-Maisoor", Indian Islam, Mujahideen, civilizational bases

کوئی بھی معاشرہ اپنی روایات کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس معاشرے کا ادب ہی اس کا صحیح عکاس ہوتا ہے۔ جب ہم تہذیب کی بات کرتے ہیں تو کسی معاشرے کی با مقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کا نام تہذیب ہے۔ تہذیب معاشرے کے طرز زندگی اور طرز فکر و احساس کا جوہر ہوتی ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی اصلاح کرنا، پاک کرنا اور صفائی کرنے کے ہیں۔ اسی طرح تہذیب سے یہ بھی مراد ہے کہ ذہنی ترقی جو زندگی کے چلن میں کار فرما ہو اور اس میں شانستگی ہو۔ طرز معاشرت اور رہن سہن کے انداز اور تمدن کو بھی تہذیب کے معنوں میں لیتے ہیں۔ ترقی اور بہتری کے بہترین طریقے بھی تہذیب کا جزو ہیں۔

نسیم حجازی اردو ناول میں تاریخ اور تخیل کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھنے والے ناول نگار ہیں۔ انھوں نے اسلامی تاریخ کو موضوع بنا کر مسلمانوں کے ان کے شان دار ماضی سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ ان کے ناولوں کی تعداد خاصی ہے اور سارے ہی تاریخ کا موضوع لیے ہوئے



ہیں۔ اور تلوار ٹوٹ گئی "نسیم حجازی کا ایسا ناول ہے جس میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریشہ دوانیوں اور مسلمانوں کی نادانیوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ جب سات سمندر پار کے بھیڑیے انسانیت کے ہاتھ سے خون رنگنے کے درپے تھے، جب برصغیر پر انگریز سامراج اپنے دانت تیز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب پندرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان سونے کی چڑیا کے نام سے مشہور تھا اور مغرب میں چوں کہ ایک نئی زندگی اور قوت ابھر رہی تھی اس لیے مختلف اقوام مغرب نے ہندوستان پر اپنی نظریں جمالیں۔ ان اقوام میں فرانسیسی، پرٹگیزی اور انگریز سر فہرست تھے۔ پرٹگیزی اور فرانسیسی تو کچھ عرصہ تک رہے لیکن انگریزوں نے اپنی مخصوص مکارانہ چالوں سے ان دونوں اقوام کو برصغیر سے نکال باہر کیا اور اس طرح اب ان کی نظریں مسلمانوں کی سلطنت پر پہنچ گئیں اور ان پر اپنا تسلط جمانے پر لگی تھیں۔ ان اقوام کا بظاہر مقصد تو تجارت ہی تھا مگر بعد میں ان کے ارادے کھلے تو یہ مختلف راجوں اور مہاراجوں کو آپس میں لڑا کر اپنے پاؤں جمانے لگے۔

نسیم حجازی نے اسی تاریخ کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس حوالے سے ان کے ناول "معظم علی" اور اس کے دوسرے حصے "۔۔۔ اور تلوار ٹوٹ گئی" میں مغرب کی یہی مکاریاں بیان کر کے مسلمانوں کی آپس کے نفاق کو بیان کیا گیا ہے۔ "معظم علی" میں بنگال پر انگریزوں کی چڑھائی اور پھر بکسر اور جنگ پلاسی کے احوال واقعی کا بیان ہے جب کہ "۔۔۔ اور تلوار ٹوٹ گئی" میں ٹیپو سلطان شہید کے ساتھ ان کی لڑائیوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ انگریزوں نے ہمیشہ اور بالخصوص برصغیر کی مختلف اقوام کو آپس میں لڑایا اور آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ یہ مقصد ۱۸۵۷ء میں مکمل اور ۱۹۴۷ء کو ختم ہوا جب بھارت اور پاکستان معرض وجود میں آئے۔

برصغیر پر قبضے کے لیے انگریزوں نے اگرچہ ہر جگہ اپنے مخصوص جاسوس اور ملت فروش رکھے ہوئے تھے مگر بنگال میں میر جعفر اور میسور میں میر صادق ان کے خاص الخاص چیلے تھے جو ان کے مفادات کے لیے کام کر رہے تھے۔ میر جعفر نے بنگال پر ان کا قبضہ مکمل کر لیا اور میر صادق نے دکن (میسور) پر ان کی اعانت کی۔

نسیم حجازی کے ناولوں میں ہمیں تہذیبی تاریخ کے واضح نقوش ملتے ہیں۔ وہ ایک طرف مشرقی تہذیب جیسے بت پرستی اور مجوسیت کا حال بیان کرتے ہیں تو کبھی اسلام کے برگزیدہ ہستیوں کے احوال واقعی سے دلوں کو گرماتے ہیں تو دوسری طرف مغربی تہذیب کے سرخیلوں جیسے عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخی ناولوں میں وہ ہمیں اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز تفصیل سے بتا کر یہ باور کراتے ہیں کہ ان کا ماضی کس قدر تاب ناک تھا اور پھر جب مسلمانوں نے اللہ کی رسی کو چھوڑا تو ان کا کس قدر برا حال ہوا۔

وہ کبھی تو محمد بن قاسم کے جاں بازوں، محمود غزنوی کے جاں نثاروں اور کبھی طارق بن زیاد کے غازیوں کے قصے سنا کر ہمیں حب الوطنی کا درس دیتے ہیں تو کبھی ٹیپو سلطان اور حیدر علی کے مٹھی بھر سپاہیوں کی شجاعت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ان کے ناول کبھی تو وہ ہمیں قیصر و کسریٰ اور کبھی اندلس پر مسلمان سپاہیوں کی یلغار اور فتوحات کے آن مٹ کارنامے سناتے ہیں اور کبھی اندلس میں مسلمانوں کی آخری سلطنت کے ٹٹھاتی شمع اور ان کی نادانیوں سے آشنا کراتے ہیں۔ بقول رشید احمد گوریچہ:

"نسیم حجازی سیدھے سادھے واقعات کو دلچسپ اسلوب میں پیش کرنے کے لیے ڈرامائی حالات پیدا کرتے ہیں۔ واقعات جس رفتار پر جارہے ہوتے ہیں اس میں اچانک کوئی ایسی تبدیلی رونما ہوتی ہے جس سے واقعات کا رخ بدل جاتا ہے۔ وہ قصے میں ایسے نشیب و فراز پیدا کرتے ہیں اور اس طرح اتار چڑھاؤ دکھاتے ہیں کہ تجسس اور دلچسپی میں ہر آن اضافہ ہوتا ہے۔ واقعات میں



مسلسل نشوونما اور ارتقا جاری رہتا ہے۔ حق و باطل کے معرکے ہوں یا عشق و محبت کی سرگرمیاں، کہیں بھی واقعات کے بہاؤ میں فرق نہیں آتا۔" (۱)

"— اور تلوار ٹوٹ گئی" کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ ماضی سے کچھ نہ کچھ چلا آ رہا تھا جس کا نتیجہ "اور" کی صورت میں ہی ہوا اور اس طرح یہ تلوار آخر میں ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کا جس طرح سے اختتام ہوا وہ مسلمانوں کو خون کے انور لانے کے لیے کماتی ہے۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا جو حالات کا ایسا تسلسل ہے جو ماضی بعید یا ماضی قدیم سے چلا آ رہا تھا۔ ورنہ برصغیر میں مسلمانوں کی اتنی شان دار حکومت ایسے ختم نہ ہوتی۔ بقول شاعر:

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا (۲)

ناول میں میسور اور اس کی ملحقہ حکومتوں کے درمیان چھوٹی موٹی جھڑپوں اور مغربی استعمار کی شاطرانہ چالوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ نیز سات سمندر پار کے تاجروں کی نگاہوں میں اپنی قیمت مقرر کرنے والے ملت فروشوں پر بھی کڑی تنقید کی گئی ہے۔ اس ناول میں ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۰۰ء تک کے حالات کا ذکر ہے۔ اس تاریخ کا موضوع ٹیپو سلطان، انگریز، نظام اور مرہٹے ہیں۔ برصغیر کے حکمرانوں کی آپس کی چپقلش اور تصادم کی کہانیاں اس ناول کا حصہ ہیں۔ ناول میں زمان و مکان کا تصور سلطنت میسور اور اس کے آس پاس کے علاقہ ہیں۔ سرنگا پنٹم اس ریاست کا دار الحکومت تھا۔ ناول کے تاریخی کرداروں میں ٹیپو سلطان کے علاوہ میر نظام علی، زمان شاہ، برہان الدین، سید غفار، محمد علی، شمس الامراء، وینکٹ راء، نانا فرنولیس، جنرل اسٹورٹ اور جنرل ہیرس وغیرہ ہیں۔ ناول میں ٹیپو سلطان کی شخصیت کے اسلامی خدو خال بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے نسیم تجازی لکھتے ہیں:

"معظم" اور اس کے بعد "۔۔۔ اور تلوار ٹوٹ گئی" لکھتے وقت میرے دل و دماغ پر یہ احساس ہمیشہ غالب رہا کہ سلطان شہید کی شخصیت کو کسی ناول کا مجموعہ بنانا ایک بہت بڑی جسارت تھی۔ ابتدا میں ایک ایسے اولوالعزم مجاہد کے کردار سے متاثر ہوا تھا جس نے ہندوستان کے دور انحطاط میں محمد بن قاسم کی غیرت، محمود غزنوی کی جاہ و جلال اور احمد شاہ ابدالی کے عزم و استقلال کی یاد تازہ کر دی تھی۔ لیکن سلطنت خداداد کی تاریخ کے اوراق وقت میں یہ محسوس کرتا تھا کہ سلطان فتح علی خان ٹیپو کی زندگی کے کئی اور حسین پہلو ابھی تک میری نگاہوں سے پوشیدہ تھے، شیر میسور کی فتوحات صرف جنگ کے میدانوں تک محدود نہ تھیں، بلکہ وہ بیک وقت ایک ایسا حکمران، عالم، مفکر اور مصلح تھا جس کے دل و دماغ کی وسعتوں کی آرزوئیں ساگئی تھیں۔ وہ ہمیں زندگی کی ہر دوڑ میں اپنے وقت سے کئی منزلیں آگے دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ایک ایسے دور میں فلاجی ریاست کا نمونہ پیش کیا تھا جب کہ ہندوستان کے نواب اور راجے اپنی رعایا کی ہڈیوں پر عشرت کدے تعمیر کر رہے تھے۔ اس نے اس زمانے میں بین الاقوامی اتحاد کے لیے جدوجہد کی تھی، جب کہ عالم اسلام اپنے نابل حکمرانوں کی تنگ نظری، کمزوری، بے حسی اور باہمی رقابتوں کے باعث مغرب کے سامراجی بھیڑیوں کے ایک عظیم شکار گاہ بن چکا تھا۔ اس نے ہندوستان



کے ایک ایسے پسماندہ علاقہ میں اسلامی عدل و مساوات کے جھنڈے گاڑے تھے جہاں صدیوں سے جہالت اور افلاس کی تاریکیاں مسلط تھیں۔ حیدر علی اور سلطان ٹیپو سے قبل میسور کے عوام کی کوئی تاریخ نہ تھی لیکن ان کی حکمرانی کے چند برس پورے ہندوستان کی تاریخ پر چھائے ہوئے ہیں۔" (۳)

سلطان ٹیپو کے پاس اگرچہ ایک قلیل فوج تھی لیکن ایک طرف تو مقدر میں انگریزوں سے کم تو دوسری طرف ان کے لشکر میں خدایوں کی کمی نہ تھی۔ لیکن انگریز ایک لمبے عرصے تک ان کی مزاحمت کو نہ توڑ سکے۔ لیکن تابہ آخر مسلمانوں کی امیدوں کی وہ تلوار آخر ٹوٹ ہی گئی، اور ایسی ٹوٹی کہ صدیوں کے خاموش ہو گئی۔

اس ناول میں نہ صرف مملکت خداداد یعنی میسور کے حالات بیان کیے گئے ہیں بلکہ پورے جنوبی ہندوستان کی سیاسی فضا اور ان کے حکمرانوں کی کش مکش کا پورا نقشہ سامنے آتا ہے۔ ہندوستان پر دیگر مغربی اقوام کی نظر تھی۔ اسی حوالے سے نسیم حجازی لکھتے ہیں:

"ایک دوپہر پانڈی چری کی بندرگاہ پر لوگوں کا ہجوم ایک فرانسیسی جہاز سے اترنے والے مسافروں کا خیر مقدم کر رہا تھا۔ جہاز کے ملاح اور بندرگاہ کے مزدور سامان اتارنے میں مصروف تھے اور چند سپاہی تماشاخیوں کو بندرگاہ کے احاطے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔" (۴)

اس کے علاوہ سرنگاپٹم (میسور کا دارالخلافہ)، ادھونی، حیدر آباد، پونا اور بہت سے قریبی علاقوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ اس وقت میر نظام علی اور مرہٹے سلطان ٹیپو کے ساتھ برسر پیکار تھے۔ انگریز ان کے آپس کے تصادم سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ فرانسیسی پہلے تو سلطان کے ساتھ مدد کرنے آئے لیکن جنوب میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد شکست خوردہ انداز میں واپس پلٹ گئے۔ ناول میں کئی کردار ہی جو نسیم حجازی نے پیش کیے ہیں جن میں ناول کا ایک کردار "انور علی" جو معظم علی کا بیٹا ہے۔ یہ کردار غازیان اسلام میں سے ہے اور سلطنت خداداد کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے سے نہیں چوکتا۔ وہ سلطنت خداداد کا ایک اولوالعزم سپاہی ہے۔ اس حوالے سے نسیم حجازی لکھتے ہیں:

"اور انور علی جو انتہائی انہماک سے نقشہ بنانے میں مصروف تھا چونکہ اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر سلطان کو نقشہ پیش کرتے ہوئے کہا،
"عالی جاہ میں یہ نقشہ مکمل نہیں کر سکا"

سلطان مشعل کے قریب فرش پر بیٹھ گیا اور ایک منٹ نقشہ پر نظر دوڑانے کے بعد بولا۔ "تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور میرے سوالات کا جواب دو، انور علی سلاطین کے سامنے بیٹھ گیا اور سلطان نے اپنے بات کی انگلی سے ایک سرخ نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "یہاں کیا ہے؟"

انور علی نے جواب دیا۔ "عالی جاہ یہاں ہری پنت کی فوج ہے۔" (۵)

انور علی کے باپ اور دو بھائی آزادی کے لیے جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ لیکن اس خاندان نے گھبرانے کی بجائے بڑی دلیری دکھائی اور اس طرح سلطنت خداداد کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دی ہیں۔ انور علی کا دوسرا بھائی مراد علی بھی اسی قبیل کا بندہ ہے اور اگرچہ ناول میں اس کا ذکر کم کیا گیا ہے۔



یعنی اس کا ذکر دریائے کاویری سے لے کر دریائے کابل تک کے سفر تک محدود ہے۔ اس کے باوجود اس کردار میں دیانت داری اور حب الوطنی کے جذبات بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ناول میں نسیم حجازی نے انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انگریز مسلم تہذیب کے حوالے سے خاصے جذباتی تھے کہ اس پر ہمارے اثرات پڑیں اور ہم ہی ان کی حکومت کا خاتمہ کریں۔ نسیم حجازی چوں کہ تقسیم ہند کے بھی حامی تھے اور دو قومی نظریہ کی کھلے عام حمایت کرتے تھے۔ لیکن اس تقسیم کے حوالے سے خاصا خلط مسحت پایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر خالد اشرف اپنی کتاب "برصغیر میں اردو ناول" میں لکھتے ہیں:

"تقسیم ہند اس برصغیر کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ تھا۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر کی گئی اس تقسیم نے اتنے مسائل کو حل نہیں کیا جتنے نئے مسائل کو جنم دیا۔ سامراجی قوتوں کی سازش کے تحت ایک کروڑ افراد اپنے صدیوں پرانے گھر و شہر چھوڑ کر اجنبی دیاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔۔۔ ان فسادات میں انسان نے جس بیٹانے پر بربریت کا مظاہرہ کیا اس کی دوسری مثال اس برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔" (۶)

تقسیم سے پہلے اور بعد کے بعد ہندو تہذیب کی بازیافت اور اسلامی تہذیب کی برتری کی تحریک بھی شروع ہو گئیں۔ اس طرح بہت سے مصنفین نے تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا۔ غرض ادبی رنگ میں ڈوبے ادبی فن پارے وجود میں آئے جنہوں نے اسلامی تشخص کی نئے سرے سے تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ جب کہ بعض کے نزدیک برصغیر کی تقسیم ہی غلط تھی۔ ان کے خیال میں یہ بھی انگریزوں کی سامراجی پالیسی کا حصہ تھا کہ ان کو تقسیم کرو تو یہ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مشقت و گریباں رہیں اور ہمارے سامراجی مسائل پورے ہوتے جائیں گے۔ اس سے انگریزوں نے مسلم دنیا کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب رہی؟ اس کا جواب ہمارا آج کا قاری دے سکتا ہے۔ کیوں ہندوستان میں رہنے والی تمام اقوام ابھی تک اسی سامراجی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں اور ہم ابھی تک ان کی تہذیبی اور تمدنی غلامی سے آزاد نہیں ہوئے۔ نسیم حجازی اس تقسیم کے حق میں نظر آتے ہیں اور ادیبوں کی پہلی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ نسیم حجازی اسلامی تہذیب کے پیروکار ہیں اور ہر مسئلے کا حل دین اسلام کے عقائد میں تلاش کرتے ہیں اور یہی ان کا اصل مقصد اور غرض و غایت ہے۔ مغرب کی تہذیب میں تغیر ہے۔ اس حوالے سے حسن عسکری لکھتے ہیں:

"دین کے ہر عنصر کو تاریخی نقطہ نظر سے دیکھنا اور یہ سمجھنا کہ دینی ادارے، عقائد، ہر چیز کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔" (۷)

جب کہ مشرق میں ایسا ہونا بعید از قیاس ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مذہب کا واضح تصور پایا جاتا ہے۔ مذہب میں تین چیزیں عقائد، عبادات اور اخلاقیات کی اہمیت مسلم ہے۔ مغرب میں صرف اخلاقیات پر زور دیا جاتا ہے اور باقی اجزاء کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ نسیم حجازی کے ہاں تشخص کا ایک اہم جزو عقائد اور عبادات ہیں۔ اس لیے ان کے ناولوں میں جاہل عبادات کا ذکر ملتا ہے۔ ایک کردار نمازی اور دوسرا روزہ دار ہے۔ ساتھ ساتھ ناول میں جنگ کا ماحول بنا ہوا ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"اس ناول کے بیش تر کردار مجاہد ہیں جو ایک عظیم فوجی رہنما کے جلو میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میسور کی جنگیں اس داستان کا اہم ترین حصہ بن گئی ہیں۔ ان طویل اور صبر آماجنگوں کا معمولی جائزہ ہمیں یہ اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ انگریزوں نے باقی



ہندوستان پر تسلط جمانے کے لیے جو جنگیں لڑیں تھیں وہ اپنی شدت، وسعت کے اعتبار سے
میسور کے مجاہدوں صبر و استقلال اور ایثار و خلوص کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔" (۸)

میسور کی جنگ سے تہذیبی و ثقافتی بیانیے کا اندازہ ہوتا ہے۔ انگریز پوری طرح سامراجیت کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ اس تہذیب کی
آویزش سے نسیم حجازی نے اس ناول کے مینار کھڑے کیے ہیں۔ سامراجی ہتھکنڈوں کے خلاف ہلکی سی فتح بھی اُس وقت بڑی فتح گردانی جاتی تھی۔ جیسے ایک جگہ
اقتباس میں لکھا گیا ہے:

"معاهدہ منگلور کی رو سے میسور اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوسری جنگ کا خاتمہ فوجی اور سیاسی لحاظ
سے سلطان ٹیپو کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔" (۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سامراجیت پوری طرح ہندوستان پر قبضہ کرنے کے موڈ میں تھی اور اس کے خلاف سلطان کی چھوٹی سی فتح بھی بہت
زیادہ خوشی کا اظہار تھا۔

ناول کا بیانیہ ایک سپہ سالار کی کامرانیوں کے ساتھ ساتھ مختلف سازشوں کا مربوط قصہ ہے۔ یعنی ایک طرف تو ایک مرکزی قوت ٹیپو کے ہاتھ میں
ہے اور دوسری طرف انگریز، مرہٹے اور خود ٹیپو کے اپنے ساتھ سازشوں میں مصروف عمل ہیں۔ اس ناول سے یقیناً نسیم حجازی ایک تہذیب، قوم یا ملت کے
تفحص کو برقرار رکھنے اور بچانے کے خواہاں ہیں اور یہی اس ناول کا خلاصہ ہے۔ سلطان ٹیپو کی حرکت و عمل کے حوالے سے نسیم حجازی کے الفاظ یہ ہیں:

"شیر اپنی کچھار سے بہت دور آچکا تھا۔ حیدر آباد اور پونا کی طرف یلغار کے لیے اس کا راستہ کھلا
تھا۔ اگر وہ چاہتا تو نظام اور پیشوا کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتا تھا لیکن جب انھوں نے صلح
کے لیے ہاتھ بڑھائے تو سلطان نے کسی حجت کے بغیر تلوار نیام میں ڈال لی۔" (۱۰)

یہاں نسیم حجازی ٹیپو کے کردار کے ذریعے سے مسلمانوں کے اندر حرارت اور جرأت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلاف کے کارناموں پر
زور دیتے ہیں۔ وہ یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ دور انحطاط میں بھی مسلم نوجوانان اپنی ہمت اور شجاعت سے نئی تاریخ رقم کرنے کے قابل ہوں۔ مسلمانوں کے
اندر ہمت اور جواں مردی کے اوصاف ہوں اور وہ ہر آنے والی تکلیف کا جانفشانی سے مقابلہ کرنے کے اہل ہو سکیں۔ مسلمانوں کی تہذیب ہر قوم و ملت سے
بالا تر اور اعلیٰ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی تہذیب کے حوالے سے انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے نہ کہ وہ مغربی تہذیب کے دل دادہ بن جائیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ رشید احمد گور بچہ، اردو میں تاریخی ناول نگاری، راغب پرنٹرز، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۳
- ۲۔ رشید احمد صدیقی، جدید اردو غزل، ص ۱۵۲
- ۳۔ نسیم حجازی، — اور تلوار ٹوٹ گئی، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵-۶
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۲
- ۵۔ ایضاً، ص ۱۶۳
- ۶۔ ڈاکٹر خالد اشرف، برصغیر میں اردو ناول، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۱
- ۷۔ حس عسکری، جدیدیت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۷



- ۸۔ نسیم حجازی، — اور تلوار ٹوٹ گئی، ص ۴۰
- ۹۔ ایضاً، ص ۸
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۴
- ۱۱۔ نسیم حجازی، آخری چٹان، ص ۳۵
- ۱۲۔ جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، یوسف برادرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸۳
- ۱۳۔ نسیم حجازی، آخری چٹان، ص ۱۵
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۲۵
- ۱۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تنقید اور تجزیہ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۸
- ۱۶۔ نسیم حجازی، آخری چٹان، ص ۳۱